جلد ۴۴ | مورخہ ۲۸ اکتوبر و ۷ نومبر ۱۹۴۲ء مطابق ۲۸ اخاء و ۷ نبوت ۱۳۲۱ ہش | نمبر ۳۱ و ۳۲

# سالانہ جلسہ کی آمد

## رسید مژدہ کہ ایامِ نوبہار آمد

جلسہ سالانہ کی آمد آمد شروع ہو رہی ہے۔ سالانہ جلسہ بہت سے برکات ارضی و سماوی کو لیکر آتا ہے۔ اسلئے ان برکات کو حاصل کرنے کے لئے آج ہی سے احباب جماعت کو تیار ہو جانا چاہیئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ اپنے طالبعلمی کے زمانہ کی ایک بات سنایا کرتے تھے۔ کہ ایک دفعہ میں استاد کے پاس نہ جاسکا۔ تو دوسرے دن جب گیا۔ تو استاد نے فرمایا کہ "نور الدین" تم کبھی قصائی کی دوکان پر گئے ہو۔ آپ نے عرض کی۔ کہ جی ہاں گیا ہوں۔ فرمایا۔ کہ وہاں سے کوئی سبق لیا۔ آپ نے عرض کی۔ کہ آپ ہی تبلا دیں۔ مجھے تو کچھ خیال نہیں۔ تو استاد نے فرمایا۔ کہ جب ایک چھری چلتے چلتے کند ہو جاتی ہے۔ تو قصائی دوسری چھری سے اس چھری کو رگڑتا ہے۔ اس طرح سے دونوں چھریاں تیز ہو جاتی ہیں۔ اسلئے ناغہ نہیں کرنا چاہیئے۔ جس طرح دو چھریوں کی رگڑ سے تیزی پیدا ہوتی ہے۔ ویسے ہی دو ذہنوں کی رگڑ سے بھی تیزی پیدا ہو جاتی ہے۔ سو یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ رگڑ ایک بڑی عجیب چیز ہے۔ بحث بھی ایک رگڑ ہے۔ چنانچہ مشہور مقولہ ہے۔

### الحقیقۃ بنت البحث

حقیقت بحث کی بیٹی ہے۔ جیسے دو ہاتھوں کی رگڑ سے گرمی۔ اور دو پتھروں کی رگڑ سے شعلہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح صلحاء اور اولیاء کے صحبت اور احتکاک سے روحانی زنگ دور ہو کر ایک روحانیت کی روشنی اور تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ قادیان ایک ایسا مقام ہے۔ جہاں متعدد شعائر اللہ ہیں۔ انسان جب ان شعائر اللہ کو دیکھتا ہے۔ تو خود بخود اس کے اندر ایک ولولہ اور جوش پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں برسوں رہے ہیں۔ ان کے ملنے سے ان کو دیکھنے سے ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ علماء کی تقریریں سنکر سال بھر میں جو قابلِ اعتراض باتیں سُنی ہوتی ہیں۔ ان کے حل مل جاتے ہیں۔ اور انسان دوسروں کو جواب دینے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اپنے عزیزوں۔ رشتہ داروں بھائیوں دوستوں کو مل کر اپنے تعلقات میں ایک تجدید پیدا کر لیتا ہے۔ ان سب باتوں کو چھوڑ کر ہم کو حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے روئے منور کو دیکھنے کا موقعہ میسر آتا ہے۔ آپ کے کلمات طیبات کو سنکر روح کے لئے ایک غذا مل جاتی ہے۔ جو سال بھر تک ہمارے کام آسکتی ہے۔

ان دنوں میں ہزارہا بندگانِ خدا جن میں بڑے بڑے عارف متقی اور پرہیزگار بھی شامل ہوتے ہیں۔ مل کر خدا کے حضور دعاؤں کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں۔ اور اس طرح ہم گنہگاروں کی دعائیں ان پاکباز لوگوں کی دعا کے ساتھ درِ اجابت تک جا پہنچتی ہے۔ یہ وہ موقع ہے۔ جسے انسان کو کسی بھی قیمت پر ضائع نہیں کرنا چاہیئے۔

یہاں وہ مقامات بھی ہیں۔ جن میں کھڑے ہو کر دعا کرنے والے کے لئے اللہ تعالےٰ نے قبولیت کے وعدے دے رکھے ہیں۔ اسلئے ان مقامات سے فائدہ اور برکت حاصل کرنی چاہیئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آل اور ذریت کو ملنا چاہیئے۔ ان کے بابرکت وجودوں سے برکت حاصل کرنی چاہیئے۔

حضرت ام المؤمنین اطال اللہ بقاءھا کا وجود بڑا ہی مبارک۔ اور بابرکت وجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی اپنی معیت کا وعدہ دے رکھا ہے۔ احباب کو چاہیئے۔ کہ ان تک اپنا سلام پہنچائیں۔ اور ان کے وجود کی برکات کو حاصل کرنے کی سعی کریں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو اللہ تعالیٰ کے محبوب اور رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے محبوب تھے۔ جن کے مزار مبارک پر ہر وقت انوار سماوی کا نزول ہوتا رہتا ہے۔ وہاں حاضر ہوں۔ اور آپ کے وجود پاک پر درود و سلام بھیجنے کا انتظام رکھیں۔ تاکہ ان انوارِ سماوی کو ہم بھی حاصل کر سکیں۔

بہشتی مقبرہ میں ان لوگوں کو دیکھو۔ جو راہ صدق و صفا میں گامزن رہ کر اپنی زندگی پوری کر گئے۔ اور آج جس طرح زندگی میں درِ یار پر دھونی رمائے بیٹھے تھے۔ مرنے کے بعد بھی اسی کے آستان پر لیٹے ہوئے ہیں۔ اس نظارہ کو دیکھ کر اپنے دل میں شوق پیدا کرنا چاہیئے۔ کہ یہی عشق و وفا کا رنگ ہم پر بھی چڑھ جائے۔

### الغرض

جلسہ سالانہ آتا ہے۔ مئے وحدت کے متوالوں کے لئے سامان بے خودی لا رہا ہے۔ اس لئے ہر مستانہ احمدیت کو دعوت عام ہے۔ اس وقت جبکہ دنیا بھر کے مسلمانوں میں کسی جگہ بھی نظام وحدت نہیں رہا۔ یہ صرف ہمارے لئے ایک خدا کا فضل ہے۔ کہ ہمارا ایک مرکز ہے۔ ایک نظام ہے۔ ہم ایک ہاتھ پر جمع ہیں۔ اور ہم میں خدا کے فضلوں کا مورد خلیفہ موجود ہے۔ خلیفہ بھی وہ خلیفہ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی پیشگوئیوں کا مصداق ہے۔ صلحاء امت کی پیشگوئیوں کا مصداق ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں اور پیشگوئیوں کا مصداق ہے۔

### پس

وہ بابرکت انسان جو ہر قسم کے آسمانی انوار کا حامل ہے۔ اور جو موعود ہے۔ وہ ہم میں موجود ہے۔ ان سب برکتوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے یہ ایک بابرکت موقع ہے۔ مبارک ہیں وہ جو ان ایام کی برکتیں حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں۔

# جناب چوہدری محمد اسمٰعیل صاحب غیر مبائع کی توجّہ کے لئے

چودھری صاحب! کچھ عرصہ سے آپ کا قلم پیغام صلح کے صفحات پر بڑی تیزی سے جولانیاں دکھا رہا ہے۔ جو کچھ آپ مکرمی مولانا ابوالعطاء صاحب کے رسالہ فرقان کے متعلق لکھ رہے ہیں۔ اس کا جواب تو مولانا صاحب موصوف خود ہی دیں گے۔ مجھے اس طرف جانے کی ضرورت نہیں۔ مگر ایک بات نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا ہے۔ کہ میں الحکم کے کالموں سے آپ کو مخاطب کروں۔ اور وہ بات یہ ہے۔ کہ آپ کبھی کبھی اپنی تحریریں ایسی بات بھی لکھ دیتے ہیں۔ کہ آپ کو کوئی دشمنی تو نہیں۔ اگر آپ پر حق کھل جائے۔ تو آپ ماننے کے لئے تیار ہیں اور آپکے خاندان کے سب افراد تو جماعت قادیان کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے آپ کو اس امر کا بڑا ادب اور پاس ہے وغیرہ میرا دل یہ چاہتا ہے۔ کہ بعض امور آپ کی توجہ کے لئے پیش کروں۔ امید ہے۔ کہ آپ جواب باصواب سے ممنون فرمائیں گے۔

(۱)

جناب مولوی محمد علی صاحب جب قادیان میں تشریف رکھتے تھے۔ اور اس وقت ان کی پوزیشن ایک عام احمدی کی ہی تھی۔ اور وہ رسالہ ریویو کے ایڈیٹر تھے۔ اور اپنے مضامین ریویو میں لکھتے ہوئے لفظ نبی اور رسول استعمال کیا کرتے تھے گو آج مولوی صاحب اپنے ان الفاظ کی تشریح کرتے ہیں۔ کہ ان کا یہ مطلب نہیں۔ بلکہ فلاں مطلب تھا میں آپ سے ان الفاظ کے متعلق یہ بات دریافت کرنی چاہتا ہوں۔ کہ آج سے پچاس سال کے بعد جبکہ جناب مولوی محمد علی صاحب اس دنیا میں موجود نہ ہوں گے۔ اس وقت اگر کوئی شخص مولوی صاحب کے ان الفاظ کو جو ریویو میں نبی اور رسول کے لکھے گئے ہیں۔ کسی ایسے شخص کے سامنے پیش کرے جو اصلاحات جدید ظلی۔ بروزی مجازی وغیرہ سے کلیۃً ناواقف ہو۔ وہ جناب مولوی صاحب کے الفاظ پڑھ کر یا سنکر ان کے کیا معنے کریگا۔

اس لئے کہ یہ اصطلاحات تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود وضع کی ہیں۔ اور پہلے انبیاء میں اس قسم کی اصطلاحات کا پتہ نہیں ملتا۔ اس لئے جو شخص ان لمبی چوڑی تفصیلات کا واقف نہ ہو اور صرف اصطلاح نبی اور رسول کو جانتا ہو۔ اس کے سامنے یہ الفاظ بغیر کسی تشریح کے رکھ دیئے جائیں تو وہ اس سے کیا مفہوم لے گا۔ مہربانی فرما کر اس مفہوم کو تحریر فرماویں۔

(۲)

جب جناب مولوی محمد علی صاحب قادیان میں مقیم تھے اور حضرت خلیفۃ المسیح اول بستر علالت پر آخری گھڑیاں گزار رہے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اول نے اس وقت اپنی ایک وصیت لکھی۔ اور اس وصیت میں اپنے جانشین کے متعلق بھی وصیت فرمائی۔ مولوی محمد علی صاحب نے باواز بلند تین مرتبہ اس وصیت کو پڑھا۔ اور حاضرین کو سنایا۔ اور اس وقت اس وصیت کی مخالفت نہ کی۔ حالانکہ جس وقت انہوں نے وصیت پڑھی تھی۔ اسی وقت کے قریب قریب انہوں نے ایک ٹریکٹ خلافت کے خلاف لکھوا کر اور چھپوا کر تیار کر لیا تھا۔ جناب مولوی محمد علی صاحب کے نزدیک اگر خلافت باطل چیز تھی۔ تو اس وصیت کے سنانے کے وقت اسکی مخالفت کیوں نہ کی۔ اور اس وقت وہ کیوں زبان سے اقرار کرتے رہے حالانکہ وہ دل سے اسکی مخالفت کر رہے تھے۔ ان کا یہ فعل آپ کے نزدیک مومنانہ فعل تھا یا کیا۔؟

(۳)

اور جب الوصیت کے مطابق۔ اور خلیفہ اول کی وصیت کے مطابق خلافت بن گئی۔ قوم نے اتفاق کر لیا۔ تو مولوی محمد علی صاحب کا قادیان چھوڑ کر چلے جانا اور پھر ایک نئی انجمن کے صدر کی حیثیت سے قادیان کے مرکز کے خلاف ایک اڈا جمانا کیا معنی رکھتا تھا۔

چودھری صاحب! اس سوال پر ذرا غور فرمائیے۔ کہ اگر آپ جماعت قادیان میں منسلک ہوں۔ اور آپ خلافت پر ایمان رکھتے ہوں۔ تو اس شخص کو جو خلافت سے باغی ہو جائے۔ اور الگ ایک جدید مرکز بنائے۔ لوگوں کو خلافت سے اور مرکز سے توڑے۔ اور توڑنے کے لئے ہر ممکن سعی کرے۔ بیت المال کے مقابل ایک بیت المال۔ مرکز کے مقابل ایک مرکز بنائے۔ اسے آپ کیا کہیں گے۔

اور چودھری صاحب اگر آپ کا دل ایک مبائع کی طرح سے اس مسئلہ پر غور کرنے کو نہ چاہے۔ تو پھر یوں بتائیے کہ ایک مسلمان جو قرونِ اولیٰ کی تاریخ سے واقف ہے۔ اس کے سامنے اس سوال کو ہم یوں رکھیں۔ کہ ایک شخص جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقابل میں اپنا ایک الگ مرکز بنا لے۔ اور مسلمانوں کے بیت المال سے الگ بیت المال بنائے۔ اور وحدت قومی کے توڑنے کے کام پر کمربستہ ہو جائے۔ اس سیدھے سادھے مسلمان سے پوچھو۔ کہ وہ حضرت ابوبکر رضؓ اور حضرت عمر رضؓ کے اس مدمقابل شخص کے متعلق کیا فتویٰ دیگا۔

(۴)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تریاق القلوب میں یوں تحریر فرمایا ہے:-

"خدا تعالےٰ نے اپنی اصحاب الصفہ کو تمام جماعت میں سے پسند کیا ہے۔ اور جو شخص سب کچھ چھوڑ کر اس جگہ آکر آباد نہیں ہوتا۔ اور کم سے کم یہ کہ یہ تمنا دل میں نہیں رکھتا۔ اسکی حالت کی نسبت مجھ کو بڑا اندیشہ ہے۔ کہ وہ پاک کرنے والے تعلقات میں ناقص نہ رہے۔"

(تریاق القلوب صفحہ ۶۰)

چودھری صاحب کیا آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس تحریر پر ایمان ہے یا نہیں۔ اگر ایمان ہے۔ تو آپ بتلائیں۔ کہ آپ خود آپ کے حضرت امیر اور دیگر آپ کے مسیحا جو قادیان سے کٹ گئے۔ اور جن کے قلب کے کسی گوشہ میں قادیان میں بسنے کی خواہش نہیں۔ ان کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کیا فتویٰ ہے۔ کیا آپ ان کو اس کے باوجود ناقص یقین کرتے ہیں یا کامل؟

(باقی پھر) محمود احمد عرفانی

## مدیر الحق راولپنڈی کی خدمت میں اطلاع

الحکم کے اسی پرچہ میں "مسیحی مزدور گوجرانوالہ" کو مخاطب کر کے ایک مضمون لکھا گیا ہے۔ پرچہ میں اتنی گنجائش نہ تھی۔ کہ دوسرا مضمون بھی درج ہو سکتا۔ انشاء اللہ اگلے نمبر میں آپ کے مضامین کی طرف توجہ کر سکوں گا۔ یہ چند سطریں آپ کی اطلاع کے لئے لکھ دی ہیں۔ (محمود احمد عرفانی)

# مسیحی مزدور اور الحکم

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کے
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

(۱)

شیخ عبدالخالق صاحب نومسلم نے الحکم ۲۸ رجون میں ایک مضمون لکھا تھا۔ اس پر اخبار مسیحی مزدور گوجرانوالہ نے ایک نوٹ لکھا۔ جس کا جواب شیخ عبدالخالق صاحب نے ۷ ستمبر کے الحکم میں لکھا۔ اور اس میں ہم نے شیخ صاحب کا تعارف کرانے کی غرض سے ایک نوٹ لکھا تھا۔ اس کے جواب میں مسیحی مزدور نے ۱۸ اکتوبر کو ایک مختصر نوٹ لکھا۔ کہ پادری نذیر عالم صاحب جو اخبار کے چیف ایڈیٹر ہیں۔ بذات خود اس کا جواب لکھیں گے۔ اور ایڈیٹر الحکم اور ان کے فاضل نامہ نگار کے مضمون کا مکمل اور مفصل جواب دیں گے۔ ایڈیٹر صاحب الحکم اور شیخ عبدالخالق صاحب کو تیار رہنا چاہیئے۔"

اس اعلان سے میرا خیال تھا۔ کہ پادری نذیر عالم صاحب غالباً کوئی بہت بڑا پتھر اٹھا کر ہمارے راستے میں رکھ دیں گے۔ جس کا اٹھانا مشکل ہو جائے گا۔ مگر جب ۲۳ اکتوبر کے پرچے میں وہ جواب چھپکر آیا۔ تو ہم نے بے اختیار مندرجہ بالا شعر پڑھ دیا۔ کیونکہ ہم کو اس میں کوئی بات قابل غور نظر نہیں آئی۔ البتہ جناب پادری صاحب نے ہم کو ایک صحافتی سبق دیا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ:

"ایڈیٹر الحکم شاید اتنا نہیں جانتے۔ کہ جب کسی اخبار کے مضمون یا نوٹ یا خبر وغیرہ کا حوالہ دینا ہوتا۔ تو اکثر اس اخبار کو مجموعی حیثیت میں پیش کیا جاتا ہے۔ کہ فلاں اخبار یہ کہتا ہے۔ وہاں نامہ نگار کا نام لکھنا ضروری خیال نہیں کیا جاتا۔ نہ معلوم آپ ایک کہنہ مشق اخبار نویس ہونے کے باوجود اس صحافتی ادب سے کیوں واقف نہیں۔ امید ہے۔ کہ اب آپ اس بات کو سمجھ گئے ہوں گے۔"

پادری صاحب آپ کے اس صحافتی درس کا ممنون ہوں۔ اور اب آپکے سمجھانے سے مجھے یہ سمجھ آگئی ہے۔ اور ہم نے نوٹ کر لیا ہے۔ آئندہ ہم آپ کے لکھے کا برا نہیں منایا کریں گے۔ کیونکہ ہم کو معلوم ہوگیا۔ کہ آپ کے نزدیک اخبار سے مراد وہ کاغذ ہے۔ جس پر لوگوں کے مضمون چھپتے ہیں۔ اور آپ ایڈیٹر کو اس سے جدا خیال کرتے ہیں۔ جس پر کسی قسم کی ذمہ داری نہیں ہوتی۔ کیونکہ آپ نے خود تحریر فرما دیا ہے۔

"اگر آپ ہمارے نوٹ کو بنظر غائر پڑھتے تو آپ کو معلوم ہو جاتا۔ کہ ہم نے اپنے شذرہ میں ایڈیٹر صاحب کو مخاطب نہیں کیا۔ بلکہ ایک بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اخبار الحکم کو مجموعی صورت میں پیش کیا ہے۔"

بہت اچھا جناب! ہم نے آپ کے اصول کو جان لیا۔ آئندہ ہم انشاء اللہ کبھی کچھ لکھنا چاہیں گے۔ تو "اخبار مسیحی مزدور" کو بحیثیت مجموعی مخاطب کر لیا کریں گے۔ امید ہے آپ کو اس پر ناراضگی یا شکایت کرنے کا کبھی موقع نہیں آئے گا۔

(۲)

شیخ عبدالخالق صاحب کے متعلق ہم نے چند تعارفی الفاظ لکھے تھے۔ اور اس میں لکھا تھا۔ کہ "وہ مسیحی دنیا میں کوئی غیر معروف شخص نہیں۔ مشہور پادری صاحبان و مسیحی مناظرین ان کی قلم و زبان سے واقف ہیں۔ ان کے اسلام قبول کر لینے کا درد اب تک بھی بعض مشہور مسیحی پادریوں کے قلب میں موجود ہے۔"

اس کے جواب میں پادری صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "اگر مشہور و معروف کی تعریف یہی ہے۔ کہ جس مشنری نے ان کو بپتـ

بقیہ مضمون ملاحظہ ہو صفحہ ۳ پر

# سیرت المہدی علیہ السلام کا ایک ورق



## روایات حضرت پیر افتخار احمد صاحب مہاجر

(۲)

(۱۰) والد صاحب کی وفات سے تھوڑا عرصہ بعد حضرت اقدس علیہ السلام تعزیت کے لئے لدھیانہ تشریف لائے۔ تھوڑی دیر قیام فرمایا۔ والد صاحب مرحوم کی محبت۔ اخلاص اور دینی خدمت کا ذکر فرماتے رہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے مع حاضرین دعا فرمائی۔ حضور علیہ السلام نے قرآن شریف کی آیت وکان ابوھما صالحاً پڑھ کر فرمایا۔ کہ ان دونوں بچوں پر مہربانی کرنے کی یہ وجہ تھی۔ کہ ان کا باپ صالح تھا۔ (ہم بھی اپنے باپ کے دو ہی لڑکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر بھی فضل فرمائے۔ آمین۔

(۱۱) یہ وقت بھی گذر گیا۔ کچھ مدت بعد حضور علیہ السلام کے ہاں صاحبزادہ بشیر احمد صاحب (بشیر اول) متولد ہوئے۔ حضور انور کا خط احباب لدھیانہ کے نام عقیقہ میں شمولیت کے لئے آیا۔ جس میں حضرت اقدس ع نے تحریر فرمایا تھا۔ کہ عقیقہ کا ساتواں دن اتوار کو پڑتا ہے۔ مگر کچھ قدرتی اسباب ایسے پیدا ہو گئے۔ کہ عقیقہ بجائے اتوار کے پیر کے دن ہوگا۔ جس سے یہ الہام "دو شنبہ مبارک دوشنبہ" پورا ہوتا ہے۔ ہم سب احباب لدھیانہ سے قادیان پہنچے۔ یہ سفر قادیان کا میرا پہلا سفر تھا۔ اس سے پہلے میں نے قادیان کو نہیں دیکھا تھا۔ مہمان مسجد اقصےٰ میں ٹھہرے۔ عقیقہ میں ایک یا دو دن باقی تھے۔ کہ بارش شروع ہو گئی۔ اور تین دن لگاتار برستی رہی۔ قادیان کے چاروں طرف پانی ہی پانی ہو گیا۔ صاحبزادہ بشیر احمدؐ (اول) کا عقیقہ بیت الفکر میں ہوا۔ جو کہ بیت الذکر یعنی مسجد مبارک کے ساتھ کا حضور انور کے دولت خانہ کا کمرہ ہے۔ اور جس کا دروازہ مسجد مبارک کے داہنی طرف اب تک موجود ہے۔ حاضر مہمانوں کی تعداد اتنی تھی۔ کہ بیت الفکر میں گنجائش ہو گئی۔ مجھے یاد ہے۔ کہ صاحبزادہ بشیر احمدؐ اول مولوی رحیم بخش صاحب کی گود میں تھے۔ جس وقت کہ حجام نے ان کے سر کے بال اتارے۔ یہ مولوی رحیم بخش مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے والد تھے۔ عقیقہ کے بعد ایک دو دن مہمان ٹھہرے۔ پانی کا وہی عالم تھا۔ اگرچہ بارش بند ہو گئی تھی۔ لیکن راستہ پانی سے لبریز تھا۔ یکہ پر اسباب لاد کر احباب پا پیادہ روانہ ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے پلاؤ کی دیگ ساتھ کر دی تھی۔ مجھے یاد ہے۔ کہ بٹالہ کے راستہ میں بعض جگہ پانی کمر تک پہنچ جاتا تھا۔ یکہ کے پہیے پانی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اسی حال میں ہم بٹالہ کے اسٹیشن پر پہنچے۔ اسٹیشن بٹالہ پر حضرت میر ناصر نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

---

نے بپتسمہ دیا تھا۔ وہ جانتا ہے۔ اس کے کارندے اور اس کے بچ کے نوکر جانتے ہیں۔ تو پھر ہم آپ کی تائید کرتے ہیں۔ دس۔ بیس آدمیوں کا کسی شخص کو جاننا اس کے مشہور و معروف ہونے کا کافی ثبوت نہیں"۔

پادری صاحب کیا کیا جائے۔ عیسائیت کے مسائل ہی کچھ ایسے ہیں۔ کہ آدمی سیدھی بات سمجھ نہیں سکتا۔ مثلاً دنیا کے تمام لوگ یہ جانتے ہیں۔ "ایک" اپنی ذات میں کامل اور مکمل ہے۔ اسی لئے ایک ایک ہی رہتا ہے۔ تین نہیں بنتا۔ مگر عیسائی دنیا کہتی ہے۔ کہ نہیں۔ ایک تین ہوتے ہیں۔ اور تین ایک۔ اب آپ بتائیے۔ کہ جن لوگوں کے دماغ دنیا سے نرالے طور پر روشن ہو جائیں۔ ان کو کون سمجھا سکتا ہے۔ حضرت مسیح نے فرمایا۔ کہ ابن آدم کا آخری معجزہ یونس نبی کے معجزہ کی طرح ہوگا۔ اور ابن آدم تین دن اور تین رات زمین کے پیٹ میں رہے گا۔ مگر جمعہ کی رات کو داخل ہو کر اتوار کی صبح کو اٹھنے کا نام مسیحی دنیا میں تین دن اور تین رات قرار دیئے جاتے ہیں۔ حالانکہ ہفتہ کی رات اور ہفتہ کا دن اور اتوار کی رات یہ کل دو راتیں اور ایک دن بنتا ہے۔

حضرت مسیح ساری عمر اپنے آپ کو ابن آدم۔ ابن آدم کہتے رہے۔ مگر عیسائی دنیا کے قربان جائیں۔ کہ وہ ابن آدم کے معنے خدا کا بیٹا کرتے رہے۔

پادری صاحب! اتنے منور دماغ لوگوں سے تو بات کرنی بہت مشکل ہوتی ہے۔ کیونکہ ان کی اپنی اصطلاحیں۔ اپنے معنے۔ اپنی ڈکشنریاں یہی وجہ ہے۔ کہ آپ کو میرا تعارف سمجھ نہیں آ سکا۔

جناب میں نے یہ کب کہا تھا۔ کہ انکو وہ مشنری جس نے بپتسمہ دیا تھا۔ وہ اور اس کے بچ کے نوکر اور یا دس بیس آدمی جانتے ہیں۔ یہ تو آپ کی اپنی روشنی طبع ہے۔ میں نے تو عرض کیا تھا۔ کہ وہ مسیحی دنیا میں غیر معروف نہیں ہیں۔ اسکی دلیل کیا ہے۔ وہ یہ کہ ان کو مشہور پادری صاحبان اور مسیحی مناظرین خوب جانتے ہیں۔ اور ان کے قبول اسلام کا درد ابتک بعض مشہور پادریوں کے دل میں ہے۔

میرے کہنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ ان کے اسلام میں آنے کے بعد متعدد پادریوں سے مناظرے اور مباحثے ہوئے۔ ان میں آپ کے مناظرین کو جس طرح اپنی بے بسی اور کمزوری کا منظر پیش کرنا پڑا۔ وہ سب اخبارات اور رسالوں میں شائع شدہ مواد کی صورت میں موجود ہے۔ ضرورت پڑی۔ تو آپ کو اس سے آگاہ کر دیا جائے گا۔

میرا یہ کہنا کہ ان کے مسلمان ہونے کا درد اب تک بعض مشہور مسیحی پادریوں کے دل میں موجود ہے۔ اس امر کی دلیل ہے۔ کہ وہ جب عیسائی تھے۔ اس وقت وہاں ایک مایۂ ناز فرد سمجھے جاتے تھے۔ اس لئے ایک قابل آدمی کے نکل جانے کا درد محسوس کر رہے ہیں۔ مگر اس ساری تشریح کو ہضم کر کے جو مفہوم آپ نے سمجھا۔ پادری صاحب وہ تو بس آپ ہی کا حصہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ بالکل نئے آدمی ہیں۔ آپ کو پرانے آدمیوں کا علم نہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ جن کو آپ نہیں جانتے۔ آپ کے نزدیک ان کو کوئی بھی نہیں جانتا۔ اگر آپ کا یہ خیال ہے۔ تو پھر میں کچھ کہنے سے قاصر ہوں۔ تاہم اگر آگے چل کر ایسی ضرورت پڑی۔ تو میں آپ کی تسلی کرا دوں گا۔ کہ شیخ صاحب موصوف کسی زمانہ میں عیسائیت کی بڑی مایۂ ناز ہستی تھے۔

(۳)

میں نے لکھا تھا۔ کہ:۔

"شیخ صاحب نے جب اس مفہوم کو سمجھ لیا۔ کہ دنیا کی جاہ و حشمت سوائے شیطان کو سجدہ کرنے کے نہیں ملتی۔ تو انہوں نے اس زندگی کو جس میں روپیہ کی افراط تھی۔ کیک۔ پیسٹری کھانے کو میسر تھے۔ کوٹ پتلون پہننے کو اور وسکی اور دیگر شرابیں پینے کو تو انہوں نے خوف زدہ ہو کر اس زندگی کو چھوڑ دیا۔"

میرے اس نوٹ پر آپ کی بے بسی ظاہر ہے۔ اس لئے کہ یہ چیزیں تو شیطان کو سجدہ کرنے سے ملتی ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے کہ "شیطان نے اسے ایک اونچے پہاڑ پر لے جا کے دنیا کی ساری بادشاہتیں ایک دم میں دکھائیں۔ اور شیطان نے اس سے کہا۔ کہ میں یہ سارا اور ان کی شان و شوکت تجھے دوں گا۔ کیونکہ یہ مجھے سونپا گیا ہے اور جس کو چاہتا ہوں دیتا ہوں۔ پس اگر تو مجھے سجدہ کرے۔ سب تیرا ہوگا۔" لوقا باب ۴ آیت ۵۔۶۔۷

پس جناب یہ دنیا کی شان و شوکت جو مسیحی صاحبان کو حاصل ہے۔ یہ حضرت مسیح کی طرح ابن آدم بننے سے حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ شیطان کو سجدہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ امر واقع ہے۔ ہزارہا نو عیسائی عیسائیت میں محض اپنی ظاہری مرفع الحالی حاصل کرنے کے لئے عیسائی ہوتے ہیں۔ اور نو عیسائی صاحبان کے لئے ہر قسم کی آسائش مہیا کی جاتی ہے۔ اور اس آسائش کے نتیجے میں انسان کو خدا کی دوری حاصل ہوتی ہے۔ قرب نہیں۔

### وسکی اور شراب

کا لفظ بھی آپ کو برا معلوم ہوا۔ مگر شراب تو عیسائیت کی پیداوار ہے۔ بلکہ جب تک شراب پر ایمان نہ لایا جائے۔ اس وقت تک مسیحیت پر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ آپ کے یسوع مسیح کا سب سے بڑا معجزہ بھی تو پانی کو شراب بنانے کا ہے۔ اور انگور کے پھل کا رس تو یسوع مسیح کا مرغوب تحفہ تھا۔ اس لئے شراب کے معجزے پر ایمان لانا مسیح پر ایمان لانے سے قبل ضروری ہوا۔ اور یہ وہ چیز ہے۔ جو باوجود اپنی شدید ترین برائیوں کے عیسائی دنیا کی سب سے زیادہ قابل فخر چیز ہے۔ گویا شراب اور عیسائیت بالکل غیر منفک ہیں۔ اور یہ چیز ہر مسیحی مومن کے لئے استعمال کرنی ضروری ہے۔ اسلئے اس پر ناراضگی بالکل فضول ہے۔

(۴)

### ایک غور طلب امر

پادری نذیر عالم صاحب تو پادری بھی ہیں۔ اور گریجوایٹ بھی ہیں۔ اخبار کے چیف ایڈیٹر بھی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ کی شہرت تو عیسائی دنیا میں بہت ہو گی۔ پھر اس کا کیا باعث ہے۔ کہ آپ کی نسبت ایڈیٹر صاحب "الحق" راولپنڈی نے لکھا ہے۔ کہ آپ نے ان سے سیالکوٹ کنونشن کے موقع پر خواہش ظاہر کی تھی۔ کہ وہ اپنا اخبار آپ کی نگرانی میں دیدیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ میں نے اپنے بعض ناظرین سے مشورہ کیا تھا۔ انہوں نے جو رائے دی۔ وہ آپ کے لئے بڑی قابل غور ہے۔

"سب نے یہی رائے دی۔ کہ الحق کو آپ اپنے پاس ہی رکھیں اگر آپ اسے کسی اور کے حوالے کریں گے۔ تو ہم اپنے چندہ کی واپسی کا مطالبہ کریں گے۔" (الحق یکم و ۱۵ر اکتوبر ۱۹۴۲ء)

کسی اور سے مراد تو آپ کا ہی وجود ہے۔ یہ کیا بات ہے۔ کہ آپ عیسائی دنیا میں اس قدر قابل اعتماد اور اس قدر حسن ظن کے مقام پر ہیں۔ کہ آپ کا نام لینے سے عیسائی خریدار فوراً اپنا چندہ وصول کرنے کے لئے تیار ہو جانے کو آمادہ بیٹھے ہیں۔ کچھ اس حقیقت سے بھی تو پردہ اٹھائیے۔ اس وقت اب آپ سے رخصت ہوتے ہیں۔ تاکہ اس لغو بحث کی نسبت کوئی زیادہ مفید کام کر سکیں اور اگر اللہ نے چاہا۔ تو کبھی کبھی آپ کی ضیافت طبع کے لئے "مسیحی مزدور"

دن سے بارش کی وجہ سے رکے ہوئے تھے۔ جب ہم سٹیشن پہنچے۔ تو حضرت میر صاحب کی رخصت بھی ختم ہو چکی تھی۔ وہ بھی ہمارے ساتھ ریل پر واپس ہو گئے۔

۱۲۔ کچھ عرصہ بعد حضرت اقدس مع اہلبیت لدھیانہ تشریف لے گئے۔ اور ہمارے مکان کے بالکل متصل ایک مکان میں فروکش ہوئے۔ اور بیعت کا اعلان کیا۔ اور اعلان میں بیعت کا مقام لدھیانہ متصل مکان حاجی احمد جان صاحب مرحوم تحریر فرمایا۔ تاریخ مقررہ پر حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور باقی احباب بیعت کرنے والے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حضور علیہ السلام مع ایک کمرہ جو کہ اب دار البیعت کے نام سے موسوم ہے۔ بیعت لینے کے لئے تجویز فرمایا۔ سب سے پہلے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کو بلایا۔ اور بیعت لی۔ ان کے بعد ایک آتا۔ اور بیعت کر کے باہر چلا جاتا۔ اور دوسرا اندر بھیجا۔ اسی طرح حضور انور نے ایک ایک کی جدا جدا بیعت لی۔ یہاں تک کہ سارے دوست بیعت کر چکے۔ اور کچھ عرصہ بعد حضور علیہ السلام قادیان تشریف لے گئے۔

۱۳۔ یہی زمانہ میری ہمشیرہ صغریٰ بیگم کی شادی کا ہے۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے رشتہ کے متعلق خط بھیجا۔ بفضلہ تعالیٰ بات قرار پا گئی۔ حضور علیہ السلام مع حضرت خلیفہ اول رض اور دیگر احباب شادی کے لئے لدھیانہ تشریف لائے۔ اور بعد نکاح مع دولہن واپس تشریف لے گئے۔

۱۴۔ اس کے کچھ عرصہ بعد بحمد اللہ تعالیٰ ۱۸۹۲ء میں میں مع اہل و عیال لدھیانہ سے قادیان آ رہا۔ اور حضور علیہ السلام نے اپنی رہائش کے مکان ہی میں ہمیں جگہ دی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے حال پر بڑی مہربانی فرماتے تھے۔

۱۵۔ ایک روز حضور علیہ السلام نے مجھے فرمایا۔ کہ انسپکٹر مدارس آیا ہوا ہے۔ اس سے کہو کہ قادیان کے سکول میں تم کو رکھ لے۔ اس وقت یہاں قادیان میں سوائے سرکاری پرائمری سکول کے اور کوئی سکول نہ تھا۔ اور اس وقت بھی وہ سکول اسی حالت میں اور اسی جگہ جاری تھا۔ جہاں اب ہے۔ (اب یہ سکول بند ہو گیا ہے۔ خاکسار مرتب) عجیب بات ہے کہ حضور عم نے نہ تو مجھے کوئی سفارشی لکھ کر دی۔ نہ میں نے حضور کی خدمت میں اس کے متعلق عرض کیا۔ کہ حضور سفارش لکھ دیں۔ نہ حضور عم کی انسپکٹر سے ملاقات ہوئی۔ اور نہ وہ آپ کے معتقدین یا ارادت مندوں میں سے تھا۔ میں نے محض حضور عم کے ارشاد کی تعمیل میں انسپکٹر سے مل کر کہا۔ کہ آپ مجھے قادیان کے پرائمری سکول میں مدرسی کی آسامی دے دیں۔ انہوں نے میری تعلیم وغیرہ کا حال پوچھا اور کہا بہت اچھا۔ میں جا کر حکم بھیج دوں گا۔ چنانچہ اس نے قادیان سے جا کر میری تعیناتی کے متعلق باضابطہ کارروائی کی۔ اور میں قادیان کے سکول میں مدرس ہو گیا۔ ان دنوں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز خورد سال تھے۔ حضور علیہ السلام نے مجھے فرمایا۔ کہ میاں کو بھی سکول لے جایا کرو۔ میں حضرت اقدس عم کے ارشاد کے مطابق حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کو بھی ساتھ لے جایا کرتا تھا۔

۱۶۔ اس کے بعد (۱۸۹۳ء میں) حضور علیہ السلام مع اہلبیت عبد اللہ آتھم کے مباحثہ کے لئے امرتسر تشریف لے گئے۔ اور مجھے اپنے زنانہ مکان میں رہنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ حضور علیہ السلام جب واپس تشریف لائے۔ تب ہم اپنے اسی مکان میں جو حضور نے ہم کو رہنے کے لئے دیا ہوا تھا۔ واپس آ گئے۔

۱۷۔ جب آتھم والی پیشگوئی کے پندرہ مہینے قریب اختتام ہوئے۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ بڑی مسجد میں جا کر پیشگوئی کے لئے دعا کریں۔ مجھے یاد ہے کہ ہم سب خدام بڑی مسجد میں جا کر علیحدہ علیحدہ دعا میں مصروف ہو گئے۔ احباب کی تضرعانہ دعاؤں اور ان کے رونے سے مسجد میں ایک شور پڑا ہوا تھا۔

مجھے وہ وقت بھی یاد ہے۔ کہ پندرہ مہینے کے آخری دن کو صبح کی نماز کے بعد حضور علیہ السلام نے مسجد مبارک میں فرمایا کہ ہمیں یہ الہام ہوا ہے۔ اطلع اللہ علیٰ ھمہٖ وغمہٖ اسی وقت حضور علیہ السلام نے صرف الہام سنایا۔ زیادہ تفسیر نہیں فرمائی۔ یا ممکن ہے کچھ تفسیر فرمائی ہو۔ اور مجھے یاد نہ رہی ہو۔ بہرحال یہ الہام تو بلفظہٖ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔

میں پانچ سال کے قریب عرصہ تک قادیان میں رہا۔ پھر مع اہل و عیال لدھیانہ چلا گیا۔ اسی عرصہ میں سالانہ جلسوں پر مع عیال آتا رہا۔

۱۸۔ پھر ۱۹۰۱ء میں مع اہل و عیال ہجرت کر کے قادیان آ گیا۔ اور بفضل خدا یہیں رہا۔ ۱۹۰۲ء میں حضرت مولوی عبد الکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اقدس عم کی اجازت سے محرری کے کام پر مجھے رکھ لیا۔ لنگر اور سکول کا چندہ اور حضرت اقدس کے خطوط کا جواب لکھنا میرے سپرد تھا۔ بفضل خدا مسلسل ڈاک کا کام کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۶ء میں بموجب قواعد ریٹائر ہو گیا۔

ذیل میں کچھ متفرق باتیں مختلف اوقات کی عرض کرتا ہوں۔

۱۹۔ حضور علیہ السلام نے ایک دفعہ اپنی تقریر میں آیت شریف والذی ھو یمیتنی ویحیین پڑھ کر فرمایا۔ کہ اس میں مومن کی روحانی ترقی کا اشارہ ہے۔ مومن مرتا ہے۔ اور زندہ ہوتا ہے۔ اور اپنی روحانیت میں ترقی کرتا جاتا ہے۔

۲۰۔ حضرت اقدس کے ایک خادم تھے۔ جن کا نام پیراندتا تھا۔ ہم سب ان کو پیرا ندتا کہہ کر ہی بلاتے تھے۔ مگر حضور علیہ السلام جب بلاتے۔ تو پیری دتہ کہہ کر بلاتے۔ یعنی میرے پیر اللہ کا دیا ہوا۔ یہ وہ توحید تھی۔ جس کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ خذوا التوحید یا ابناء فارس۔

۲۱۔ حضرت سید المرسلین سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت۔ ادب اور تعظیم کا یہ عالم تھا۔ کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ حضور علیہ السلام چارپائی پر بیٹھے ہوئے کوئی مضمون لکھ رہے تھے۔ میں پاس کھڑا تھا۔ ایک مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام مبارک لکھا۔ مگر وہاں چاہیئے نہ تھا۔ حضور علیہ السلام نے اس پر قلم نہ پھیرا۔ بلکہ اس کے گرد اسی طرح نشان بنا دیا۔ (محمد)

۲۲۔ اس زمانہ میں جبکہ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب رحمۃ اللہ علیہ امام نماز تھے۔ سابقہ دستور کے مطابق یہ طریق تھا۔ کہ ہر نماز کے بعد امام اور مقتدی ہاتھ اٹھا کر دعا کیا کرتے تھے۔ حضور علیہ السلام بھی اسی طرح کرتے تھے۔ وہ وقت مجھے خوب یاد ہے کیونکہ سب کے ساتھ مجھے بھی ہاتھ اٹھا کر دعا کرنی ہوتی تھی۔

۲۳۔ ایک روز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد مبارک میں تشریف فرما تھے۔ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم بھی بیٹھے تھے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ نماز خود دعا ہے۔ لیکن یہ ایک رواج ہو گیا ہے۔ کہ لوگ نمازیں تو بے توجہی سے جلدی جلدی پڑھ لیتے ہیں۔ مگر جب سلام پھیرتے ہیں۔ تو پھر نہایت تضرع اور حضور قلب سے دعائیں مانگتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب کام نماز کے اندر کرنا چاہیئے۔ جس وقت کہ اللہ تعالےٰ کے حضور میں حاضر تھے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ کہ جب بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ تو کچھ عرض نہ کی۔ اور جب دربار سے چلے گئے۔ تو درخواست کرنے لگے۔ سنت سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز پنجگانہ کے بعد بالالتزام ہاتھ اٹھا کر دعا کی ہو۔ اس تمام تقریر میں حضور علیہ السلام نے مولوی صاحب کو یہ اشارہ تک بھی نہ کیا۔ کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ یا اس طرح نہ کیا کریں۔ لیکن حضرت مولوی صاحب نے جس وقت حضور علیہ السلام کی یہ تقریر سنی۔ اس وقت سے نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا چھوڑ دی۔ جیسا کہ آج تک یہی طریق جاری ہے۔ اور نمازوں کے اندر ہی دعا کی جاتی ہے۔

۲۴۔ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ چونکہ عربی زبان سمجھ میں نہیں آتی۔ اس لئے نماز میں ترجمہ پڑھنا چاہیئے۔ یہ صحیح نہیں۔ اس سے اصل کی حفاظت نہیں رہتی چاہیئے۔ کہ قرآن شریف اور ادعیۂ ماثورہ مسنونہ جو نمازوں میں پڑھی جاتی ہیں۔ سب پڑھیں۔ علاوہ ان کے قیام۔ رکوع اور تشہد وغیرہ میں اپنی زبان میں بھی دعا کرنی چاہیئے۔ حضور عم نے یہ بھی فرمایا۔ کہ مجھے تو پنجابی یا اردو میں دعا کرنے کی ضرورت نہیں۔ دعا کرتا ہوں۔ تو میری زبان سے تو عربی ہی نکلتی ہے۔ عربی میری مادری زبان کی طرح ہو گئی ہے۔

۲۵۔ ایک دفعہ زمانہ طاعون میں حضرت اقدس عم نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اندر ایک ایسا مادہ پیدا کر دیا ہے۔ کہ اگر طاعون کا کیڑا آئے۔ تو فوراً ہلاک ہو جائے۔

۲۶۔ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم اس چوبارہ میں رہا کرتے تھے۔ جو بیت الفکر کی چھت پر قائم ہے۔ ایک فقیر پندرہ دن بعد پھیرا کیا کرتا تھا۔ خوب موٹا تازہ تھا۔ آواز بھی اسکی بلند تھی۔ نیچے کوچہ بندی میں چکر لگاتا۔ اور ایک رقم معین کر کے مانگتا اور حضور ہی سے لینے کا اشارہ کرتا۔ بلکہ نام بھی لے لیتا تھا۔ معلوم نہیں حضور کو کتنی تکلیف ہوتی ہوگی۔ کیونکہ رفتہ رفتہ اسکی رقم بڑھتی گئی۔ اور آنوں سے روپوں تک نوبت پہنچ گئی تھی۔ کسی دن تو اسکو پکارتے صبح سے دوپہر ہو جاتی۔ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب مرحوم بڑے نازک مزاج تھے۔ ان کو بہت تکلیف ہوتی۔ حضرت صاحب کی خدمت میں شکایت کرتے۔ مگر حضور علیہ السلام سنکر خاموش رہتے۔ معلوم ہوتا ہے۔ ایک دن ان کو بہت تکلیف ہوئی۔ اور جب حضرت اقدس عم مسجد مبارک میں تشریف لائے۔ تو مولوی صاحب عرض کرنے لگے۔ کہ حضور مجھے تو اس فقیر نے بہت تنگ کیا ہے۔ اگر حضور اشارہ بھی فرما دیتے۔ تو خدام اسکو دور چھوڑ آتے۔ اور سمجھا دیتے۔ کہ دوبارہ نہ آنا۔ مگر حضور علیہ السلام نے مولوی صاحب کی بات سنکر فرمایا۔ مولوی صاحب! ایک گدا ہوتا ہے۔ اور دوسرا نرگدا ہوتا ہے۔ گدا کو تو جو دو۔ لیکر چلا جاتا ہے۔ لیکن نرگدا اپنا مطلب پورا کئے بغیر نہیں ٹلتا۔ بندہ کو بھی اللہ تعالےٰ کے حضور ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ کہ دعا سے نہ تھکے۔ نہ ہٹے۔ جبتک کہ اس کا مقصد پورا نہ ہو۔ مانگے ہی جائے۔

۲۷۔ ایک روز حضور علیہ السلام نے مسجد مبارک میں فرمایا۔ کہ جب ہم بچے تھے۔ یہاں قادیان سے باہر ایک جھونپڑے میں ایک نابینا درویش رہا کرتا تھا۔ اس نے ایک مٹکا رکھا ہوا تھا انگریزی مہینے کی جب پہلی تاریخ ہوتی۔ تو اس میں ایک کنکر ڈال دیتا۔ اسی طرح روزانہ ڈالتا رہتا۔ گاؤں میں جس کو مقدمہ کے لئے تاریخ معلوم کرنے کی ضرورت ہوتی۔ اس کے پاس جاتا۔ وہ کنکر گن کر بتلا دیتا۔ کہ آج یہ تاریخ ہے۔ ایک دن لڑکوں نے حافظ صاحب سے چھپا کر ایک مٹھی کنکروں کی اس کے مٹکے میں ڈال دی۔ گاؤں والے حسب معمول تاریخ پوچھنے آئے۔ حافظ صاحب نے کنکر نکال کر گننے شروع کئے۔ جب بہت سارے گنے۔ تو کہنے لگے۔ کہ آج تو کوئی بے حساب تاریخ ہے۔ پتہ نہیں لگتا۔ حضور علیہ السلام یہ فرما کر خود بھی ہنسے اور حاضرین مجلس کو بھی ہنسایا۔ لیکن درحقیقت اللہ تعالیٰ کی بشارات کے مطابق قادیان کی ترقی کا خوش ہو کر شکریہ ادا کیا۔

۲۸۔ شہتوت کے موسم میں حضور پرنور باغ میں تشریف لے جاتے۔ ایک جگہ بیٹھتے۔ چادر بچھا دی جاتی۔ احباب چادر کے چاروں طرف بیٹھے

# سلامتی کی راہ



آنکھ کے پانی سے یارو کچھ کرو اس کا علاج
چلے سب جاتے رہے اب حضرتِ تواب ہے

# جنگ عالمگیر

(۲)

## خدا کی کامل اور واحد ذات پر یقین

اسلام دنیا میں امن پیدا کرنے کی غرض سے سب سے اول یہ تعلیم دیتا ہے کہ تم سب کا ایک خالق و مالک ہے۔ اور وہ تم سے یکساں محبت کرتا ہے۔ اگر تم دانستہ کسی کے حقوق دباؤ گے۔ تو اس کے حضور جوابدہ ہو گے۔ وہ تمہیں سزا دیگا۔ اور اگر تم ایک دوسرے کے ساتھ نیکی اور احسان کرو گے۔ اور ایک دوسرے کی حق تلفی سے باز رہو گے۔ تو وہ تمہیں جزا دیگا۔ لیکن اگر برخلاف اس کے یہ عقیدہ رکھا جائے۔ کہ بعض انسان اعلےٰ ہیں۔ اور بعض ادنیٰ۔ تو دنیا میں بدامنی پیدا ہو گی۔ جو شخص خدا تعالےٰ کی ہستی کو نہیں مانتا۔ یا اپنے آپ کو اعلےٰ سمجھتا ہے۔ تو وہ ہر گز کسی گناہ سے جس میں وہ بظاہر اپنا فائدہ دیکھتا ہے۔ نہیں رک سکتا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص خدا تعالےٰ کی ہستی پر تو یقین رکھے مگر کسی وجہ سے وہ اپنے اعمال کی جوابدہی پر یقین نہ رکھے۔ تو ایسا شخص بھی دنیا کے تمدن کو برباد کرنے والا ہو گا۔ غرض خدا تعالےٰ کی کامل اور واحد ذات پر یقین دنیا کے تمدن کی پہلی سیڑھی ہے کیونکہ جب انسان صدق دل سے ایک خدا ایک خالق ایک مالک اور ایک رب العالمین کا اعتراف کرتا ہے۔ تو وہ بدھ۔ سناتنی۔ آریہ۔ عیسائی۔ یہودی۔ مشرقی و مغربی۔ کالے اور گورے سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ اور سب کو اپنے رب کی مخلوق جان کر ان سے محبت کرنا اپنا فرض جانتا ہے۔ سب سے ہمدردی کرتا ہے۔ اور رواداری اختیار کرتا ہے۔ کسی انسان یا قوم کو ناجائز تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ اور کسی کی حق تلفی پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔ پس مسئلہ توحید امن عالم کی روحِ رواں ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لو کان فیہما اٰلہۃ الا اللہ لفسدتا

یعنی اگر زمین و آسمان میں خدا کے سوا کوئی اور بھی معبود اور خالق ہوتے تو فساد پڑ جاتا۔ گویا دنیا کو اس تعلیم بتایا۔ کہ تمہارے معبودوں کا اختلاف دنیا میں فساد کا موجب ہے۔ اگر تم اسکی زندگی چاہتے ہو۔ تو شرک کو چھوڑ دو۔ اور وحدانیت پر ایمان لاؤ۔ تا امن پاؤ۔

## مساواتِ انسانی

اسلام امن عالم کے متعلق دوسری بنیادی تعلیم یہ دیتا ہے۔ کہ تم بلحاظ انسانیت یکساں ہو۔ یعنی سب انسان بلحاظ انسان ایک جیسے ہیں۔ اسلام میں قومیت۔ ملک اور رنگت کوئی وجہ تفریق نہیں۔ رحمت الٰہی کسی خاص قوم یا ملک تک محدود نہیں۔ سب اعلیٰ مخلوق ہیں۔ ہم میں سے کوئی ذلیل نہیں۔ اور وہی معزز ہے۔ جو اپنے اعمال سے نیکی کے بلند معیار پر پہنچتا ہے۔ اور خدا کی مخلوق سے حسنِ سلوک سے پیش آتا ہے۔ فرمایا۔

یا یہا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثیٰ و جعلنٰکم شعوبًا و قبائل لتعارفوا۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔

اے لوگو یقیناً ہم نے پیدا کیا تم کو ایک مرد اور عورت سے۔ اور بنایا ہم نے تم کو کنبے اور قبیلے۔ تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ یقیناً بڑا معزز تم میں سے وہ ہے نزدیک اللہ کے جو زیادہ پرہیز گار ہے تم میں سے۔ یعنی اے روئے زمین کے سب لوگو۔ میں ایک ہی خدا تم سب کا پیدا کرنے والا ہوں۔ اور تم مرد و عورت سے پیدا ہوئے ہو۔ قبائل اور گروہ صرف شناخت کے لئے ہیں۔ ہاں خدا کے ہاں دینی طور پر وہی معزز ہو گا۔ جو زیادہ تقویٰ شعار ہو گا۔ یعنی سب لوگوں کا خالق ایک طریق پیدائش ایک طریق ترقی یکساں طور پر سب کے لئے کھلا ہے۔ تم سب ایک ہی درخت کی شاخیں ایک ہی سمندر کے قطرے اور ایک ہی آسمان کے درخشندہ ستارے ہو۔ تم نہ خود ذلیل ہو۔ نہ دوسروں کو ذلیل سمجھو۔ الغرض سب انسان بحیثیت انسان بھائی بھائی ہیں۔

پس جب تک قومیں برہمن اور اچھوت۔ گورے اور کالے مشرقی اور مغربی کی ناجائز تفریق اور غلط تمیز سے دست کش نہ ہوں گی۔ یا ایک قوم دوسری قوم کو ذلیل سمجھے گی۔ یا دائرہ انسانیت سے خارج قرار دیگی۔ دنیا میں صحیح امن کبھی قائم نہیں ہو سکتا۔ نہ جنگوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اسلام نے جو عالمگیر اخوت کا یہ اصول سکھایا ہے۔ اس کو مان کر دنیا موجودہ تباہی کے گرداب سے نکل سکتی ہے اور مساوات انسانی کے قائم ہوتے ہی امن و امان قائم ہو سکتا ہے۔ اور کیا اندرونی اور کیا بیرونی تمام فسادات مٹ سکتے ہیں۔ یہ اسلام کی سچائی کا ایک بے نظیر ثبوت ہے۔ کہ اس نے دنیا کو ایک ایسا زریں اصول بتایا۔ جس پر چل کر دنیا باوجود تکالیف کے جنت بن سکتی ہے۔ اور امن و امان کی زندگی بسر کر سکتی ہے

## حسنِ احسان

قیام امن کے لئے ایک تعلیم اسلام نے احسان کی دی ہے فرمایا:- ان اللہ یامرکم بالعدل والاحسان۔

یعنی عدل اور احسان کے ساتھ مخلوق کے ساتھ معاملہ کرو۔ یہ ایک ایسا اصول ہے۔ جس سے ہر قسم کے فساد دنیا سے مٹ سکتے ہیں۔ دنیا میں بہت ہی کم لوگ ہیں۔ جو اپنے حق سے زیادہ نہ ملنے پر آمادۂ فساد ہوں۔ بلکہ اکثر فسادات حق نہ ملنے پر ہوتے ہیں۔ پس حکومت کو حکم دیا۔ کہ تم اپنی رعایا کے درمیان عدل سے معاملہ کرو۔ اور یہ بھی یاد رہے۔ کہ گو عدل اچھی چیز ہے۔ لیکن اس سے بڑھ کر ایک احسان بھی ہے۔ یہ ایک ایسی صفت ہے۔ جس سے دل تسخیر کئے جاتے ہیں۔ اور آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ انسانی فطرت احسان کے آگے سر خم کرتی ہے۔ پس اسلام نے جو کہ دین الفطرت ہے۔ احسان کی تعلیم دے کر ایک عظیم الشان امن اور صلح اور محبت کی بنیاد ڈال دی۔ اور حاکم و محکوم آقا و نوکر میں ایک صلح اور امن کا واسطہ قائم کر دیا۔ اگر آج دنیا اس زریں اصل پر قائم ہو جائے۔ تو دنیا میں امن ہی امن نظر آنے لگے۔ اور لاکھوں جھگڑے اور مقدمات ختم ہو جائیں۔ اور فسادات مٹ جائیں۔ رعایا حکومت سے خوش اور حکومت رعایا سے خوش نوکر آقا سے خوش اور آقا ملازم سے خوش نظر آئیں۔

## سرمایہ دار اور مزدور

قیام امن کے لئے اسلام نے سرمایہ دار اور مزدور کے تعلقات کا حل بھی بتایا ہے۔ یہ سوال موجودہ نظام اقتصادی میں بڑا اہم ہے۔ اور دنیا کے امن کو برباد کئے ہوئے ہے سرمایہ دار اور مزدور کے تعلقات باہم اچھے نہ ہونے کے باعث تقریبًا سب ملکوں کی فضا خراب ہو رہی ہے۔ اس کا ادنےٰ کرشمہ بالشوزم کے رنگ میں ظاہر ہوا۔ جو پہلے امیر تھے۔ وہ اور زیادہ امیر ہو رہے ہیں۔ اور دولت چند نفوس کے ہاتھوں میں جمع ہو رہی ہے۔ اور مزدور پیشہ لوگوں کے خون کا آخری قطرہ تک چوسا جا رہا ہے۔ گویا وہ سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں بکی بک چکے ہیں۔ آئے دن ہڑتالیں اور مزدوروں کے سٹرائیک پھر انہیں جبرًا بھوکے مار کر کام پر واپس بلانا اور پولیس کی مداخلت اور سینکڑوں مزدوروں کا کشت و خون اس الجھے ہوئے مسئلہ کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ اسی پر بس نہیں۔

سرمایہ داروں اور مزدوروں کی باہمی کشمکش بڑی بڑی جنگوں اور انقلابوں کا موجب ہوئی ہے۔ انقلاب فرانس اسی جھگڑے کا شاخسانہ تھا۔ جب فرانس کے سرمایہ داروں نے کسانوں پر انسانیت سوز مظالم روا رکھنے شروع کئے۔ اور کسانوں کے صبر کا پیالہ لبریز ہو چکا۔ تو وہ ایک شعلہ کی مانند بھڑک اٹھے۔ اور آزادی۔ اخوت اور مساوات کا والہانہ مظاہرہ کرتے ہوئے سرمایہ داروں پر ٹوٹ پڑے۔ اسی طرح روس میں جو جمہوریت قائم ہوئی۔ وہ بھی مزدور اور سرمایہ دار کی باہمی جنگ کا ہی نتیجہ ہے۔

لیکن اسلام سوشلزم کی طرح سرمایہ داری کے قطعًا خلاف نہیں۔ بلکہ اسلامی نقطہ نگاہ یہ ہے۔ کہ دنیوی اموال شخصی مقبوضہ ہوتے ہوئے بھی قومی سرمایہ ہیں۔ یہ اموال لوگوں کے پاس خدا کی طرف سے امانت ہیں۔ اور ان میں علاوہ امین کے دیگر افراد کا بھی حق ہے۔ دوسرا یہ اموال چونکہ مزدور کی مدد سے پیدا کئے جاتے ہیں۔ اس لئے اسلام نے ایک حصہ پھر ان مزدوروں کی طرف لوٹایا ہے۔ اور امراء کے اموال میں غرباء کا حصہ رکھ کر ایک رواداری کی بنیاد قائم کی ہے۔ فرمایا:-

وفی اموالہم حق للسائل والمحروم اور ارشاد کیا۔ فاٰت ذی القربیٰ حقہ والمساکین وابن السبیل۔ یعنی مومنین کے اموال میں دیگر انسانوں کا حق بھی ہے۔

انسانوں میں قریبی اور غیر قریبی سب شامل ہیں۔ پھر دوسروں کا حق وصول کرنے کے لئے ادائیگی زکوٰۃ کا حکم دیا۔ اس میں کوتاہی کے لئے سخت تہدید کی زکوٰۃ کے فنڈ میں سے غرباء اور یتامیٰ کی پرورش ہو سکتی ہے۔ بیکاروں کے لئے کام مہیا کئے جا سکتے ہیں۔ اور بے سرمایہ لوگوں کو مناسب سرمایہ دے کر کام کرنے کی عادت ڈالی جا سکتی ہے۔ دیگر رفاہِ عام کے کاموں میں بھی یہ روپیہ صرف ہو سکتا ہے۔ پھر مزدور کو اس کا پورا حق دینے کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے۔ مزدور کو اسکی مزدوری پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔

ادھر مزدور کو حکم دیا۔ کہ تو سرمایہ دار کے اموال و نعم کو

کو کچھ کرمت بیجیر ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علے بعض۔ دوسروں کے اموال کو فضول حاصل کرنے کی خواہش مت کرو۔ پھر ادھر آقا کو تنبیہہ کی۔ کہ خادموں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے بلکہ ان کے کام میں ہاتھ بٹایا جائے۔ اور حکم دیا۔ کہ جو مالک کھائے۔ وہی ملازم کو کھلائے۔ اور اس کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ پس اخوت۔ مساوات اور آزادی اور رواداری کی تعلیم دے کر دنیا کو امن کی شاہ راہ پر اسلام نے لا ڈالا۔ اگر آج دنیا اس پر کاربند ہو جائے۔ تو ہزاروں فسادات دنیا سے مٹ سکتے ہیں۔ کیونکہ لاکھوں فساد صرف غربت کی وجہ اور غریبوں پر ناجائز دباؤ ڈالنے اور ان کی حق تلفی کی وجہ سے دنیا میں ہو رہے ہیں۔

## راعی اور رعایا کے تعلقات

پھر راعی اور رعایا کے تعلقات کے متعلق بھی اسلام کی تعلیم ہی امن کی ضامن ہے۔ اسلام ایک طرف جمہوریت کا قائل ہے۔ کہ اسلامی سلطنت کا بادشاہ یا خلیفہ لوگوں کا منتخب کردہ ہو۔ انتخاب میں دیانتداری کو مدنظر رکھتے ہوئے قابل آدمی کو منتخب کیا جائے۔ فرمایا:۔

ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل۔

یعنی حکومت جو دراصل خدا کی طرف سے امانت ہے ایسے شخص کے حوالہ کی جائے۔ جو اس کا اہل ہو۔ اور جب بادشاہ یا خلیفہ منتخب ہو جائے۔ تو اس کا فرض ہے۔ کہ وہ پارٹی سپرٹ سے بالا ہو کر انصاف سے کام لے۔ اور فرمایا امرھم شوریٰ بینھم۔ لوگوں سے مشورہ لیکر حکومت کے کام چلائے جائیں۔ دوسری جانب اس جمہوریت کے ساتھ ہی خلیفہ کو بعض اختیارات ایسے دیئے۔ جن کی وجہ سے اسے مختار کل بھی کہا جا سکتا ہے۔ مثلاً اس کے انتخاب کے بعد اسے کوئی معزول نہیں کر سکتا۔ گویا آئے دن کی عدم اعتماد کی تحریکات کا سدباب کر کے رعایا کے اندر تعاون اور اطاعت کی روح کو قائم کر دیا۔ اور یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرائی۔ کہ خلیفہ کے انتخاب کے وقت خدا کا تصرف کام کر رہا ہوتا ہے۔ اس لئے اس انتخاب کو خدائی انتخاب قرار دیا جاتا ہے۔ اور اسی لئے اس کے بعد کسی قسم کا فساد یا بغاوت گویا خدا کی ناراضگی مول لینا ہے۔ خلیفہ کے ہاتھ پر خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ اور وہ اسے صحیح راستوں پر چلاتا اور تمام مشکل امور میں اسکی راہنمائی کرتا ہے اور اپنے کرم سے اسے معرفتِ تامہ اور عرفان عطا فرماتا ہے۔ پس کیا ہی مبارک وہ نظام ہے۔ جس میں خدا تعالےٰ کی راہنمائی شامل حال ہو۔ یہ نعمت بھی اسلام ہی کے اصول سے وابستہ ہے۔ اور دنیا کے ایک دائمی امن کا موجب ہے۔

## مذہبی آزادی

چونکہ امن عامہ کے لئے مختلف الخیال گروہوں کا آپس میں محبت و پیار سے رہنا ضروری ہے۔ اس لئے اسلام نے مذہبی آزادی کی تعلیم دے کر ایک بین الاقوامی محبت و رواداری کو قائم کیا ہے۔ حریت ضمیر انسان کا پیدائشی حق ہے۔ اور جب کبھی کسی فرد یا قوم کو بزور بازو اپنے خیالات کو ترک کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ تو فساد پیدا ہوگا۔ اس لئے اسلام نے آزادیٔ ضمیر کے حق کو تسلیم کیا۔ اور فرمایا لا اکراہ فی الدین۔ قد تبین الرشد من الغی۔ عقائد یا خیالات منوانے کے بارے میں جبر ہرگز جائز نہیں۔ کیونکہ ہدایت اور گمراہی کی راہیں بالکل واضح ہیں۔ من یشاء فلیومن ومن شاء فلیکفر۔ جس کا جی چاہے مانے اور جس کا جی چاہے نہ مانے۔ تمہیں جبر کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ انسانی اخوت کا یہ تقاضا تھا۔ کہ ایک انسان ایک انسان کو یا ایک قوم دوسری قوم کو اپنے خیالات جبراً نہ منوائے اور ان کے انسانی مساوات کے حق کو پائمال نہ کرے۔ جب تک دنیا میں یہ تعلیم قائم رہے۔ کسی فساد کا اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ اور دنیا باوجود اپنی الائشوں کے رشک جنت بن سکتی ہے۔

## بزرگوں کا احترام

رواداری اور مذہبی آزادی کی تعلیم دینے کے بعد امن عامہ کی بنیادوں کو اور مضبوط اور استوار کرنے کے لئے اسلام نے مزید حکم دیا۔ کہ ہر مذہب و ملت کے بزرگوں کا احترام بھی کیا جائے۔ اور انہیں اچھے الفاظ میں یاد کیا جائے اور ان کی عزت کی جائے۔

یہ انسانی فطرت ہے۔ کہ کوئی شخص اپنے مذہبی پیشوا کے خلاف بدزبانی یا سخت گوئی ہرگز نہیں سن سکتا۔ اس لئے اسلام نے تعلیم دی۔ کہ لوگ ایک دوسرے کے پیشواؤں کی عزت کریں۔ اور یہ اصل قائم کیا۔ وان من امۃ الاخلا فیھا نذیر۔ تمام اقوام عالم اور تمام زمانوں میں خدا کی طرف سے ہادی اور رہنما آتے رہے ہیں۔ پس ہر مذہب جو اسلام سے پہلے موجود ہے۔ اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ وہ سراسر باطل ہے۔ کیونکہ اسکا منبع خدائی الہام ہے۔ اور اس کا بانی خدا کا فرستادہ تھا۔ اگر بعد میں آنے والوں نے کسی مذہب کی تعلیم کو بگاڑ کر افراط یا تفریط سے کام لیا ہے۔ تو اس بزرگ کا کوئی قصور نہیں۔ اور وہ واقعی واجب الاحترام ہستی ہے۔ کوئی مسلمان مسلمان کہلاتے ہوئے کسی مذہب کے بزرگوں کو بدگوئی سے یاد نہیں کر سکتا۔ پس ہم مامور ہیں کہ رامچندر جی۔ کرشن جی۔ بدھ دیو جی۔ کنفیوشش حضرت زرتشت اور ایسے ہی دیگر بزرگان اقوام کو عزت کی نگاہ سے دیکھیں۔ اور ان کی قدر کریں۔ کہ وہ بھی اپنے وقت میں خدائے ذوالجلال کے دنیا پر مظہر تھے۔ اور خدا کی طرف دنیا کو بلاتے اور اس کے احکام سے دنیا کو آگاہ کرتے تھے۔ بلکہ اسلام نے اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھایا ہے۔ اور حکم دیا ہے۔ کہ تم ان معبودانِ باطلہ کو بھی جنہیں خدا کے سوا پوجا جاتا ہے۔ برا مت کہو۔ کیونکہ اس کے نتیجہ میں ان کے پرستار عداوت کی وجہ سے خدا کو گالیاں دیں گے۔ اور ایک دوسرے سے منافرت پیدا ہوگی۔ اور امن عامہ میں خلل آئے گا۔ یہ کیسی پُر امن تعلیم ہے۔ حقیقی مسلم اس کا حامل ہے۔ اور وہ دیگر اقوام کے افراد سے بھی توقع رکھتا ہے۔ کہ وہ اسلام کے بانی علیہ السلام اور دیگر بزرگانِ اسلام کو عزت سے یاد کریں۔

## مجرموں کی حمایت نہ کی جائے

پھر مختلف اقوام کے امن کو برباد کرنے والی باتوں میں سے ایک بات فرقہ وارانہ فساد ہے۔ جس کی نمائش آئے دن ہم ہندوستان میں فراواں دیکھتے ہیں۔ فرقہ وارانہ فسادات بعض دفعہ صرف چند افراد کی شرارت۔ یا حماقت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ سمجھتے ہیں۔ کہ فساد ہو جانے کی صورت میں قوم انہیں بچا لے گی۔ بلکہ وہ اس قوم میں شہرت پا کر اس کے سرمایہ بن جائیں گے۔

اس لئے اسلام نے اس فتنہ کا یہ حکم دے کر سدباب کیا۔ واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ۔ یعنی ہمیشہ اس بات کا خیال رکھو۔ کہ جب فتنہ پیدا ہو جائے۔ تو صرف اس کے بانی جو ظالم ہوتے ہیں۔ اسکی لپیٹ میں نہیں آیا کرتے۔ بلکہ شرفاء بھی اس بدامنی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کوشش کرو۔ کہ فتنوں کے ایسے مواقع پیدا ہی نہ ہوں۔ شریر آدمیوں کو ان کے کئے کی سزا دو۔ اور دلواؤ اور ان سے اپنی بے تعلقی اور برأت ظاہر کرو۔ خواہ وہ اپنے بھائی بند ہی کیوں نہ ہوں۔ صرف اس وجہ سے خاموشی نہ برتی جائے۔ کہ کسی ناشائستہ قول کا کہنے والا یا ناپسندیدہ فعل کا مرتکب اپنا آدمی ہے۔ اور مدمقابل غیر فرقہ یا غیر قوم سے ہے۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے ایک عام اصول پیش فرمایا تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان اگر کسی معاملہ میں تمہارا دشمن راستی پر ہے۔ تو اسکی مدد کرو۔ اور ظالم کی امداد نہ کرو۔ اگر ہر فرقہ اس زریں اصل پر آج عمل پیرا ہو جائے۔ تو شریروں کو اپنے ہم فرقہ بھائیوں کی اخلاقی اور عملی امداد سے مایوس ہونا پڑے گا۔ اور انہیں شرارت پر جرأت نہ ہوگی۔ اور تمام فرقہ وارانہ فسادات کا قلع قمع ہو جائے گا۔ اور تمام ہمسایہ قومیں باہم آرام اور اطمینان سے زندگی بسر کر سکیں گی۔

## جنگ اور اس کے موجبات

دنیا میں سب سے بڑی امن شکن چیز جو نہ صرف محارب قوموں بلکہ تمام دنیا کے امن کو برباد کر دیتی ہے۔ جنگ ہے۔ پس اسلام نے اس کے موجبات اور ان کے روک تھام کے ذرائع بتا کر دنیا کو ایک عالمگیر امن کی راہ بتائی ہے۔ اور لوگوں کو ان کے خطرات سے قبل از وقت آگاہ کیا۔ جو ان کے امن کو بے چینی میں بدلنے والے ہیں۔ فرمایا۔ دیکھو۔ ہماری اس بات کو معمولی نہ سمجھو۔ بلکہ یقین رکھو۔ کہ یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام ...... النور

کہ اس کتاب کی تعلیمات پر اگر دنیا عمل کرے۔ تو وہ امن اور سلامتی کی راہوں پر چل پڑے۔ اور ظلمات سے نکل کر نور کی پرفضا وادی میں داخل ہو جائے۔ چنانچہ اسلام صرف یہ نہیں کہتا۔ کہ امن قائم کرو۔ بلکہ وہ کہتا ہے۔ کہ تم اس امر پر بھی غور کرو۔ کہ لڑائی اور جھگڑے ہوتے کیوں ہیں۔ چنانچہ جس قدر محرکات امن عالم کو تباہ کرنے والے ہیں۔ ان سب کا اسلام نے ذکر کیا ہے۔ اور ان سب سے بچنے کی بنی نوع انسان کو نصیحت کی ہے۔

چنانچہ اسلام اس ضمن میں پہلی بات یہ بتاتا ہے۔ کہ لڑائی کی تحریک ہمیشہ حملہ کرنے والی قوم کی طرف سے نہیں ہوتی۔ بلکہ بعض دفعہ اسکی طرف سے بھی ہوتی ہے۔ جس پر حملہ کیا گیا ہو۔ مثلاً اگر ایک قوم اپنی حفاظت کا مناسب سامان نہیں کرتی۔ تو وہ اپنے عمل سے دوسری قوموں کو دعوت دیتی ہے۔ کہ اس پر حملہ کریں۔ پس جنگ کے محرکات دونوں طرف سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ دیکھ لو۔ جن جن ملکوں نے حفاظت کے پورے سامان نہ کئے تھے۔ اور مطمئن بیٹھے رہے۔ وہ دشمن کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اور یکے بعد دیگرے دشمن کے قبضہ میں چلے گئے۔ اسمیں ہمارے لئے بہت بڑا سبق ہے۔ آج اگر اہل ہند ایسے ہی بے غرضی میں رہے۔ جیسے اب ہیں۔ اور اپنے ملک کی حفاظت میں ہمہ تن مصروف نہ ہوگئے۔ تو وہ اپنے اس فعل سے دشمن کو دعوت دینے والے ہونگے۔ کہ وہ ان پر حملہ کرے۔ اور ان کے امن کو تہ و بالا کر دے۔ پس آج ہر امن پسند ہندوستانی پر خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے۔ کہ وہ اپنے ملک کی حفاظت میں جو بھی مدد کر سکتا ہے۔ کرے۔ اور خطرہ کے آنے سے پہلے تیار ہو جائے۔ کہ اس نے اپنے ملک کی حفاظت کرنی ہے۔ اور اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرنی ہے۔ اپنی جان اور مال اور اولاد کی حفاظت کرنی ہے۔ یہ وقت ان کے کام کرنے کا ہے۔ نہ کہ ایک دوسرے کی عیب جوئی کا۔ کہ حکومت وقت نے یہ کوتاہی کی۔ اور پبلک نے یہ کوتاہی کی۔ یاد رہے۔ کوئی

باغیرت قوم کبھی ذلیل زندگی قبول نہیں کرتی۔ اور موت و حیات کی کشمکش میں ہمیشہ وہی قوم معزز سمجھی جاتی ہے۔ جو مردانہ وار اپنی عزت و ناموس کی حفاظت کرتی ہے۔ دشمن بھی ان کی بہادری کی قدر کرتا ہے۔ اور ان کو باوجود زیر کر لینے کے پھر بھی ان سے عزت سے پیش آتا ہے۔ لیکن ایسی قوم جو بے عزتی کی زندگی کو موت پر ترجیح دیتی ہے۔ اسے دنیا میں کوئی عزت سے یاد نہیں کرتا۔

## جنگ کا پہلا محرک لالچ ہے

پھر اسلام ہمیں بتاتا ہے۔ کہ وہ اسباب جو حملہ کرنے والے کے لئے بعض وقت محرک بن جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک بہت بڑا سبب لالچ ہے۔ ایک قوم جب دیکھتی ہے۔ کہ دوسری قوم کے پاس بہت زیادہ علاقہ یا بہت زیادہ مال ہے۔ تو وہ چاہتی ہے۔ کہ اس پر حملہ کرے۔ اس کا کچھ علاقہ اپنے ساتھ شامل کرے۔ یا اس کے اموال پر قبضہ کرے۔ یہ لالچ اور حرص کیا ہے۔ دراصل اس دنیا میں ایک دوزخ ہے۔ جس کی آگ ہر وقت دل میں لگی رہتی ہے۔ کہ یہ چیز بھی میرے پاس ہو۔ اور وہ چیز بھی میرے پاس ہو۔ اور وہ قناعت نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ حرص و آز کا پیٹ قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے۔ یہی لالچ ہے۔ جو لڑائیوں کا موجب ہو جاتا ہے۔ اور یہی حرص ہے۔ جو انسان کو جنگ پر آمادہ کرتا ہے۔ پس اسلام نے بنی نوع کو سختی کے ساتھ روکا اور فرمایا:۔ ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علیٰ بعض۔ یعنی دوسروں کے اموال کو فضول حاصل کرنے کی کوشش مت کرو۔ اگر بعض کو تم پر فضیلت حاصل ہے۔ لالچ سے اس فضیلت کو چھیننے کی کوشش مت کرو۔ کیونکہ نظام عالم کبھی قائم نہیں رہ سکتا جب تک بعض کو تم پر فضیلت حاصل نہ ہو۔ الغرض اسلام لالچ سے روک کر اس طرح جنگ کے پہلے دروازہ ہی کو بند کر دیتا ہے۔ مگر ساتھ ہی اسلام بتاتا ہے۔ کہ یہ لالچ انسانی طبیعت میں سے دور نہیں ہو سکتا۔ جب تک بعث بعد الموت پر یقین نہ ہو۔ کیونکہ دنیا طلبی کی آگ اسلئے بھڑکتی ہے۔ کہ انسان خیال کرتا ہے۔ کہ بس یہی دنیا ہے جتنا ہم نے فائدہ اٹھانا ہے۔ اس سے اٹھالیں۔ مر گئے تو خاک کا ڈھیر ہو جائیں گے۔

## حیات بعد الموت

پس لالچ اور حرص کی بڑی وجہ حیات بعد الموت پر عدم ایمان ہے۔ اس لئے اسلام نے بعث بعد الموت پر بہت ہی زور دیا ہے۔ اور بار بار فرمایا۔ کہ منکرین یہ کیا کہتے ہیں۔ کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں۔

بلیٰ وربی لتبعثن ثم لتنبؤن بما عملتم وذالک علی اللہ یسیر۔

خدا کی قسم تم ضرور زندہ کئے جاؤ گے۔ اور یہ امر ہم پر کوئی مشکل نہیں۔ شاید تم خیال کرتے ہو۔ کہ مرنے کے بعد خدا کے لئے زندہ کرنا بڑا مشکل ہوگا۔ نہیں ایسی ہرگز بات نہیں۔ ہم اپنی ذات کی قسم کھا کر بیان کرتے ہیں۔ کہ تمہیں ضرور ایک اور زندگی دی جائے گی۔ پس جبکہ انسان کے لئے ایک اور بڑی زندگی باقی ہے۔ اور وہ حقیقی حیات ہے۔ تو انسان حرص و لالچ میں اس چند روزہ حیات میں اپنی روح کو کیوں خراب کرے۔ پس حیات بعد الموت پر ایمان انسان کے حرص و لالچ کو کچل دیتا ہے۔ اور اسے غنا کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

## اپنے تمدن کو دوسروں میں رائج کرنا

جنگ کا ایک اور زبردست محرک یہ امر ہے۔ کہ ایک قوم اپنی Culture اپنی تہذیب اور اپنے تمدن کو اعلیٰ اور فائق سمجھ کر کسی دوسری قوم میں اس Culture کو جاری کرنا چاہتی ہے۔ اور اسے اپنے تصرف اور دبدبہ میں لانا چاہتی ہے۔ چنانچہ اس موجودہ جنگ کے محرکات اس امر کے بخوبی شاہد ہیں۔ کہ ایک طرف نازیزم اور فیسزم کے حامی دنیا میں ایک نیا آرڈر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ اور دوسری طرف Democracy کے حامی اسے دنیا کے لئے اعلیٰ اور ارفع بتاتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ دنیا سے dictatorship مفقود ہو جائے۔ چنانچہ موجودہ جنگ انہیں محرکات کے باعث شروع ہوئی۔ اٹلی کا حبشہ پر حملہ اس جبر کی کھلی کھلی مثال ہے۔ اٹلی نے حبشہ پر حملہ کرتے وقت یہی دنیا کو بتایا۔ کہ چونکہ ابی سینیا والے وحشی ہیں۔ اور تہذیب اور تمدن سے کلیتہً نا آشنا ہیں۔ اسلئے ہم چاہتے ہیں۔ کہ انہیں مہذب بنائیں۔ اسلام لڑائی کے اس محرک کو بھی سخت ناپسند کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے:۔

یاایہا الذین اٰمنوا لا یجرمنا قوم من قوم۔ کہ اے مومنو! تم میں سے کوئی قوم کسی دوسری قوم کو اپنے تصرف اور دبدبہ کے ماتحت اس خیال کے نتیجہ میں نہ لائے۔ کہ ہم اس سے اعلیٰ ہیں اور ہمارا Culture اور اصول ارفع ہے۔ پھر اسکی وجہ یہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ عسیٰ ان یکون خیراً منہم یعنی ممکن ہے۔ کہ اسکی اپنی تہذیب کی خامیاں کل ظاہر ہو جائیں۔ اور جسے یہ حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے۔ اسکی تہذیب کی خوبیاں ظاہر ہو جائیں۔ اسی طرح فرماتا ہے۔

تلک ایام نداولہا بین الناس۔

اپنی Culture اور تہذیب کو اعلےٰ سمجھ کر زبردستی اسے دوسری اقوام میں رائج کرنا درست نہیں۔ یہ ترقی اور تنزل کے دن بدلتے رہتے ہیں۔ ایک قوم ممکن ہے آج دوسری قوم کو حقیر سمجھ کر فساد کا کوئی بیج ڈال دے۔ مگر کل اسکی باری آجائے۔ جسے حقیر سمجھا جاتا تھا۔ پس یہ طریق بھی اسلام نہایت ہی ناپسند کرتا ہے۔ اور اس طرح وہ ان حکومتوں کے ہاتھوں کو بھی بند کر دیتا ہے۔ جو اپنی Culture کو اعلیٰ سمجھ کر دوسری گری ہوئی اقوام میں اسے جاری کرنے کے بہانے سے لڑائی اور فساد کرتی ہیں۔

## بین الاقوامی پنچایت

بالآخر اسلام قیام امن کے لئے اور دنیا میں بین الاقوامی جھگڑوں کو مٹانے کے لئے یہ تعلیم دیتا ہے۔ کہ جب دو قوموں میں لڑائی کے آثار ظاہر ہوں۔ تو معاً دوسری قومیں بجائے ایک دوسری کی طرفداری کرنے کے دونوں کو نوٹس دے دیں۔ کہ وہ قوموں کی پنچایت سے اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کرائیں۔ اگر وہ منظور کرلیں۔ تو جھگڑا خود بخود مٹ جائے گا۔ اور اگر منظور نہ کریں۔ تو دوسرا قدم یہ اٹھایا جائے۔ کہ باقی سب اقوام مل کر اس قوم کا مقابلہ کریں۔ جس نے حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اور چونکہ ایک قوم باقی سب اقوام کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اسلئے وہ صلح پر مجبوراً تیار ہو جائے گی۔ پھر تیسرا قدم یہ اٹھایا جائے۔ کہ دونوں قوموں میں صلح کرا دی جائے۔ اور اپنے آپ کو محض ثالث کی حیثیت میں رکھا جائے۔ اور یہ صلح انصاف پر مبنی ہو۔ اور کوئی کینہ اور دشمنی اسکی تہ میں کام نہ کر رہا ہو۔

چنانچہ موجودہ جنگ میں جب پولینڈ اور جرمنی کا تنازعہ درپیش تھا۔ یا جرمنی اور اسکی نو آبادیات کا سوال اٹھایا گیا تھا۔ تو باقی تمام اقوام عالم آگے بڑھ کر اس مسئلہ کو جرمنی اور اتحادیوں کے درمیان طے کرا دیتیں۔ تو اس کشت و خون کی نوبت نہ آتی۔ جو آج دنیا میں جاری ہے۔ اور یہ آگ وہیں بجھ جاتی۔ جو آج تمام دنیا کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔

پھر دوسرا قدم موجودہ جنگ میں امن عالم کے خلاف یہ اٹھایا گیا۔ کہ بعض قومیں ایک دوسرے کی طرفدار بن گئیں۔ اور اس طرح جنگ کے شعلوں کو تیز کیا گیا۔ اگر جرمن کے ساتھ اٹلی شامل نہ ہوتی۔ یا روس جرمنی کا حامی نہ بنتا۔ تو آج یہ انقلاب بھی جو یورپ کی تباہی کا موجب ہوا۔ نہ آتا۔ پھر مشرق بعید میں اگر جاپان اٹلی اور جرمن کا حامی نہ بنتا۔ تو پھر بھی یہ طوفان دب جاتا۔ اور جنگ یورپ تک ہی محدود رہتی۔ اور تمام کرۂ ارض کو اپنی لپیٹ میں نہ لیتی۔

چنانچہ اسلام کی اس قیام امن کی تعلیم کے خلاف چلنے کا آج یہ نتیجہ ہے۔ کہ تمام کرۂ ارض پر ایک بھی غیر جانبدار قوم باقی نہیں جو جنگ میں شامل ہونے والی اقوام میں صلح کرا سکے گی۔ گذشتہ جنگ میں امریکہ کا جنگ سے علیحدہ رہنا دنیا کے لئے باعث رحمت بن گیا تھا۔ لیکن اس دفعہ وہ بھی جنگ میں شامل ہو گیا ہے۔ گویا جنگ تمام دنیا کی قوموں میں لڑی جا رہی ہے۔ اور کوئی قوم اس سے باہر نہیں۔ جو صلح کا علم بلند کر سکے۔ کیسی نازک حالت ہے۔

وہ ایام جن میں مسٹر چیمبرلین جیسا باوقار حامئ امن انسان دنیا کے قیام امن کے لئے کوشاں تھا۔ کہ دنیا میں جنگ کی آگ نہ بھڑکے۔ پھر دنیا کو واپس نہیں مل سکتے۔ مسٹر موصوف نے باوجود پیرانہ سالی اپنی انتہائی کوشش اس امر میں لگا دی۔ کہ کسی طرح جرمنی آگ میں پھلانگنے سے بچ جائے۔ اس وقت اگر روس۔ فرانس۔ امریکہ اور تمام وہ قومیں جو آج جنگ کے شعلوں کی لپیٹ میں آچکی ہیں۔ انگلستان کے ساتھ ہو کر یک زبان ہو کر جرمنی کے مطالبات کو پورا کر دیتیں۔ یا ان کے ترک کرنے پر اسے مجبور کرتیں۔ یا کینیڈا نیشنل طریق پر اس کے مطالبات پر غور کرنے اور انصاف سے فیصلہ کرنے پر آمادگی ظاہر کرتیں۔ تو یہ جنگ آج دنیا کو دیکھنی نہ پڑتی۔

پس اسلام نے امن عالم کے قیام کی وہ راہیں دنیا کے سامنے پیش کی ہیں۔ کہ اگر دنیا آج بھی ان پر عمل پیرا ہو جائے۔ تو یقیناً وہ امن جس کے لئے دنیا بیتاب ہے۔ اور وہ اطمینان جس کی دنیا متلاشی ہے۔ اور وہ سکون جس کے لئے وہ سرگرداں ہے۔ اور وہ راحت و آرام جس کی طلب میں وہ حیران و پریشان ہے۔ آنِ واحد میں حاصل ہو سکتا ہے۔ اور اسلام کے یہ زریں اصول ہی ہیں۔ جن کی اتباع میں آج مشرق و مغرب اسود و احمر کی نجات کا راز مضمر ہے۔

پس ہزاروں درود اور سلام ہوں بانئ اسلام علیہ السلام پر جس نے دنیا پر وہ کچھ احسان کیا۔ جس کے وجود پر دنیا جتنا بھی فخر و ناز کرے کم ہے۔ اور ہزاروں درود اور سلام ہوں حضرت مسیح الموعود پر جس نے آج سے پچاس برس پہلے دنیا کو ان آنے والی آفتوں سے آگاہ کیا۔ اور لوگوں کو خدا کی طرف متوجہ کیا۔ اور اپنی سلامتی کی راہ کی طرف دعوت دی۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ

عبدالحکیم احمدی ڈیپارٹمنٹ آف سپلائی نئی دہلی۔

---

## الحکم کے جاری رکھنے میں مجھے مدد دیجئے!

میں سرپرستانِ الحکم کو اور ان تمام احباب کو جن کے دل میں ذرا بھی اس امر کا احساس ہے۔ کہ الحکم سلسلہ کا سب سے پہلا اخبار ہے۔ اور اسے جاری رہنا چاہیئے۔ میں ان دوستوں کو بتلانا چاہتا ہوں کہ الحکم اپنی انتہائی کوشش میں مصروف ہے۔ اور اسے اپنے وجود کو قائم رکھنا چاہیئے۔ چنانچہ اس کا ثبوت گذشتہ مئی سے اکتوبر تک کا عرصہ ہے۔ باوجود اس کے کہ ایک رم کاغذ کی قیمت بیس روپے تک پہنچ گئی ہے۔ مگر ہم اپنی جد و جہد کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ صرف ایک ایڈیٹر کی سعی کچھ نہیں کر سکتی۔ جب تک انصار اور مربیوں کی شمولیت ساتھ نہ ہو۔ اس لئے میں اپنے احباب کو پکارتا ہوں۔ کہ آپ میری مدد کے لئے آگے بڑھیئے۔ تاکہ میں اسے جاری

## ایک جلد پذیر تصنیف :-

# مرکز احمدیت — قادیان

ایک مدت سے میرے دل میں یہ خواہش تھی۔ کہ میں ایک ایسی کتاب لکھوں۔ جس میں سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مرکز کے ایسے تفصیلی حالات ہوں کہ گویا پڑھنے والا اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ اور اس کتاب کے پڑھنے سے اسے خواہش پیدا ہو۔ کہ وہ مرکز احمدیت کو ایک دفعہ جاکر دیکھ آئے۔ اور یہ کتاب خوبصورت ہو۔ مجلد ہو۔ مصور ہو۔ ایک لمبی مدت کے بعد ایسے وقت میں جبکہ سامان طباعت از حد گراں ہے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے ایک بہت بڑی حد تک اس کتاب کے لکھنے کی توفیق دیدی۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے اسکی لکھائی کا کام شروع ہو چکا ہے۔ اسکی فہرست مضامین کا اندازہ لگانے کے لئے ایک فہرست میں اس اعلان کے ساتھ شائع کر رہا ہوں۔ تاکہ آپ دیکھ سکیں۔ کہ آپ کو ایسی کتاب کی ضرورت ہے یا نہیں؟

### فہرست مضامین



اس فہرست سے آپ کو اندازہ لگانے کا موقعہ مل سکے گا۔ کہ آپکو ایک اس کتاب میں کس قدر ذخیرہ۔ تاریخی معلومات۔ سلسلہ کی مساعی کا نچوڑ مل سکے گا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خاندان کے مفصل حالات آپ کو اس کتاب میں مل سکیں گے۔ میری محنت۔ کوشش۔ سعی بلیغ کا اندازہ کتاب کو ہاتھ میں لیکر آپ لگا سکیں گے۔ اور خصوصاً جبکہ آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ میں سات سال سے ایک موذی مرض کا شکار ہوں۔

کتاب اخراجات کی کمی کی وجہ سے بہت تھوڑی چھپوائی جا رہی ہے۔ اس لئے آج ہی اسکی خریداری کے لئے آرڈر دیجئے۔ تاکہ بعد میں افسوس نہ ہو۔ کتاب پندرہ دسمبر ۱۹۴۲ء تک انشاء اللہ چھپ جانے کی توقع ہے۔ قیمت کا اندازہ بعد میں ہو سکے گا۔

اس کتاب کے آرڈرز کے لئے میرا پتہ :-

**شیخ محمود احمد عرفانی ایڈیٹر اخبار "الحکم" قادیان (پنجاب)**